OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

بابل میں اسلامی تہذیب کا فروغ

The rise of Islamic civilization in Babylon

Dr. Saeeda
Assistant Professor, Department of Arabic, Govt. College Women University, Faisalabad.

Hafiza Laiba Muneer
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. College Women University, Faisalabad.

Received on: 06-10-2024 Accepted on: 08-11-2024

Abstract

The integration of Babylon into the Islamic Caliphate marked the beginning of a new intellectual and cultural era for the historic city. Rooted in a long tradition of science, philosophy, and astronomy, Babylon flourished under Islamic rule, becoming a vital center of learning during the Abbasid period. Islamic civilization, grounded in the pursuit of knowledge and scholarship, promoted the establishment of mosques, madrasas, and libraries in Babylon. Scholars translated and preserved Greek, Persian, and Indian texts, while developing original contributions in fields such as medicine, mathematics, and theology. Arabic became the dominant language of learning, blending with local tongues to create a rich multilingual heritage. This period witnessed not only a revival of ancient knowledge but also its transformation within an Islamic framework. Babylon's intellectual environment fostered interfaith dialogue, philosophical inquiry, and scientific advancement, leaving a lasting impact on the region's cultural and academic legacy.

Keywords: Babylon, Islamic Caliphate, Historic City, Abbasid Period, Greek, Persian, Multilingual Heritage, Academic Legacy.

بابل، دنیا کی قدیم ترین اور عظیم الشان تہذیبوں میں سے ایک کا مرکز رہا ہے، جس کی تاریخی، ثقافتی، سائنسی اور تمدنی اہمیت غیر معمولی ہے۔ یہ قدیم شہر دریائے فرات کے کنارے موجود تھا، جو آج کے موجودہ عراق میں واقع ہے، اور اس کی بنیاد غالباً 2300 قبل مسیح میں رکھی گئی۔ بابل کا نام سنتے ہی ذہن میں وہ سنہری دور آتا ہے جب انسانی تہذیب اپنے ارتقائی مراحل میں ایک عظیم قدم اٹھا چکی تھی اور علم، قانون، فن تعمیر اور حکومت جیسے میدانوں میں ایسی شاندار ترقی کی جا چکی تھی، جس نے بعد کی تہذیبوں کے لیے راہ ہموار کی۔ بابل کا لفظ "باب ایلو" (Bab-ilu) سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "خدا کا دروازہ"، اور اس کا تذکرہ نہ صرف قدیم بین النہرینی تحریروں میں آتا ہے بلکہ بائبل، تورات، اور قرآن مجید میں بھی بابل اور اس کے واقعات کا ذکر ملتا ہے، جو اس شہر کی مذہبی، تاریخی اور اساطیری حیثیت کو مزید بڑھاتا ہے۔

''خداوند علام الغیوب، خالق ارض و سما ہی خوب جانتا ہے کہ یہ پیر زال دنیا کب سے ہے اور کب تک رہے گی، اس میں کیسی کیسی زبردست سلطنتیں قائم ہو ہو کر فنا ہو چکی ہیں اور کیسی کیسی زبردست سلطنتیں بن بن کر بگڑنے والی ہیں۔ کس قدر اور کتنی تعداد میں نمرود و فرعون جیسے دعوداران خدائی اپنی چند روز کی شان و شوکت دکھاد کھا کر خاک میں مل چکے ہیں اور کتنے ابھی آئندہ ہونے والے ہیں۔''(۱)

بابل کا ابتدائی عروج حمورابی کے دور (1792–1750 ق م) میں ہوا، جو نہ صرف ایک شاندار حکمران تھا بلکہ دنیا کی سب سے پرانی قانونی تحریر "حمورابی کے قوانین" کا بانی بھی تھا۔ ان قوانین کی بنیاد پر عدل و انصاف کا تصور مضبوط ہوا، جس نے شہری زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ضابطے میں لا کر معاشرتی نظم و ضبط قائم کیا۔ اس کے بعد بابل کو کئی نشیب و فراز کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ نبوکدنضر دوم (Nebuchadnezzar II) کے دور (605–562 ق م) میں یہ شہر دوبارہ اپنی شان و شوکت کو پہنچا۔ اسی دور میں بابل کی مشہور ''معلّق باغات'' (Hanging Gardens) کی تعمیر کی گئی، جنہیں دنیا کے سات عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ان باغات کے حقیقی وجود پر کچھ مؤرخین اور ماہرین آثار قدیمہ نے سوالات اٹھائے ہیں، لیکن ان کا تصور ہی بابل کی عظمت اور فنِ تعمیر کی مہارت کی گواہی دیتا ہے۔ مالک رام لکھتے ہیں:

''یہاں پھر حمورابی کا نام سننے میں آیا، اور اب کے زرا زیادہ سنجیدگی سے۔ وہ عراق ہی کا حکمران تھا اور بابل اس کا دار السلطنت تھا۔ عراقی محکمہ آثار قدیمہ نے بابل کے آثار کھود نکالے ہیں۔ یہ کھنڈرات فرات کے اُس طرف ۵۰-۵۵ میل کے فاصلے پر ہیں۔ ایک چھٹی کے دن جی میں آئی کہ کیوں نا، بابل کے کھنڈرات دیکھے جائیں۔ چنانچہ میں نے گاڑی لی اور ڈیڑھ دو گھنٹے میں بابل پہنچ گیا۔

میں دن بھر اس ویرانے میں گھومتا رہا؟ کچھ گرد اور ریت اپنے سر پر ڈالی، کچھ حلق میں اتاری، اور مختلف پہلوؤں سے شہر دیکھتا رہا۔ میں نے تصور میں یہ دیکھا کہ ممکن ہے، کبھی حمورابی بھی اس جگہ پھرتا رہا ہو۔ اس خیال سے عجیب سرور حاصل ہوا۔ جب بغداد واپس پہنچا، تو فیصلہ کیا کہ بابل قدیم کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیے۔''(۲)

بابل کی تہذیب نہ صرف فنِ تعمیر اور قانون میں ممتاز تھی بلکہ علم و دانش میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہاں کے لوگ فلکیات، ریاضی، ادویات، اور تحریری نظام میں مہارت رکھتے تھے۔ بابل کے علماء نے چاند، سورج اور سیاروں کی حرکات کا مشاہدہ کیا اور ان کے اوقات و تقویم بنائے، جن کا اثر بعد کی اسلامی اور مغربی سائنسی ترقی پر بھی ہوا۔ کیلنڈر، گھڑی، اور وقت کے پیمانوں کی ابتدا بھی اسی خطے سے جڑی ہوئی ہے۔ بابل کی زبان اکدی اور اس کی تحریر کی شکل میخی (Cuneiform) تھی، جو تختی پر لکھی جاتی تھی اور آج بھی مختلف آثار قدیمہ میں دستیاب ہے۔ ان تحریروں میں نہ صرف سرکاری معاملات بلکہ مذہبی، تعلیمی، اور سائنسی مواد بھی محفوظ کیا گیا، جو بابل کے علمی سرمایے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

بابل میں مذہب کا بھی بڑا گہرا اثر تھا۔ یہاں متعدد دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی جن میں مردوک (Marduk) سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا۔ بابل کے سب سے مشہور مذہبی مقامات میں ''زگورات'' (Ziggurat) شامل ہیں، جو سیڑھی دار عبادت گاہیں ہوتی تھیں اور ان کی

بلندی کا مقصد خدا کے قریب ہونا تھا۔ بابل کے مذہبی اور اساطیری تصورات بعد کی تہذیبوں پر بھی اثرانداز ہوئے، اور کئی مغربی ادب، بائبل کی حکایات، اور مشرقی ثقافتوں میں بابل ایک روحانی یا اخلاقی استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ بابل کا ایک اہم پہلو اس کی سیاسی اہمیت بھی ہے۔ اس شہر نے کئی صدیوں تک بین النہرین کے سیاسی و تجارتی مراکز میں مرکزی حیثیت برقرار رکھی۔ اس کا جغرافیائی محلِ وقوع، دریائے فرات کے کنارے ہونے کی وجہ سے، تجارت و زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا۔ یہاں اناج، کھجور، تیل اور دیگر اشیائے خورد و نوش کی پیداوار کثرت سے ہوتی تھی، جس سے معاشی خوشحالی کو فروغ ملا۔ تجارتی راستے بابل کو ایشیاء، افریقہ اور یورپ سے جوڑتے تھے، جس سے یہ نہ صرف مقامی بلکہ بین الاقوامی مرکز بھی بن چکا تھا۔ مشہور امریکن پروفیسر روجزا سکے کھنڈروں کو دیکھ کر کہ اٹھا تھا:

''یروشلم کی دنیاوی پرجوش زندگی کتنی ہی پر عظمت کیوں نہ ہو۔ روم ضبط قانوں کے لئے کتنی ہی اعزاز کا مستحق کیوں نہ ہو اور لاثانی ایتھنز اپنی خوبصورتی کے سبب ان سب پر کتنا ہی فوق کیوں نہ لے جائے لیکن قوت متخیلہ کے روشن کرنے میں بابل کے سامنے سب ہیچ ہیں۔''(۳)

اسلام کے ابتدائی دور میں جب عراق خلافتِ راشدہ کے زیرِ نگیں آیا تو بابل اور اس کے گرد و نواح کو اسلامی تہذیب کے اثرات نے گھیر لیا۔ عباسی دور میں، اگرچہ بغداد علمی، دینی، اور سیاسی مرکز بن چکا تھا، لیکن بابل بھی اس علمی و فکری انقلاب کا ایک خاموش حصہ رہا۔ یہاں اسلامی تعلیمات، عربی زبان، اور شریعتِ محمدیؐ کے اثرات مقامی تمدن میں ضم ہونے لگے۔ پرانے معابد کی جگہ مساجد تعمیر ہوئیں اور بابل کی سرزمین سے علم و حکمت کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ آج اگرچہ بابل کے آثار قدیمہ خاموش کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں، لیکن ان کے نیچے چھپی کہانیاں، تہذیبی عروج و زوال کی داستانیں، اور انسان کے فکری ارتقاء کے نقوش آج بھی ماہرین آثار قدیمہ، مورخین، اور محققین کو دعوتِ تحقیق دیتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارے UNESCO نے بابل کو عالمی ورثہ قرار دیا ہے، تاکہ اس کی تاریخی و تہذیبی اہمیت کو محفوظ رکھا جا سکے۔ بابل محض ایک قدیم شہر نہیں، بلکہ انسانی تاریخ کا ایک زندہ سبق ہے جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ علم، انصاف، فن، اور روحانیت کے امتزاج سے انسانیت کس بلندی تک پہنچ سکتی ہے۔

بابل میں اسلامی تہذیب کا فروغ

بابل، جو قدیم دنیا کی عظیم الشان تہذیبوں میں شمار ہوتا ہے، اسلامی فتوحات کے بعد ایک نئی تہذیبی اور فکری تشکیل سے روشناس ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب خلافت راشدہ کے دور میں عراق کی سرزمین مسلمانوں کے زیر نگیں آئی، تو بابل جیسا قدیم اور تاریخی شہر بھی اسلامی اثرات کی زد میں آ گیا۔ اسلامی فوجوں نے حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں قادسیہ اور مدائن کی جنگوں کے بعد اس خطے کو فتح کیا، جس کے نتیجے میں بابل اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ یہاں کے لوگوں نے اسلام کو قبول کرنا شروع کیا، اور جلد ہی بابل کی سرزمین قرآن، حدیث، فقہ اور اسلامی اخلاقیات کے نور سے منور ہونے لگی۔ اسلام نے بابل کے سماجی، معاشی، علمی، تمدنی اور مذہبی ڈھانچے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہ اثرات نہ صرف مذہبی عبادات اور عقائد کی صورت میں ظاہر ہوئے بلکہ زبان، فن تعمیر، تعلیم، علم و حکمت، تجارت اور معاشرتی تعلقات تک پھیل گئے۔ بابل جو اس سے قبل مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی پرستش کا مرکز تھا، اب توحید کے نور سے روشن ہو چکا تھا۔

قدیم زگورات کی جگہ مساجد تعمیر ہوئیں، جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا جانے لگا۔ بابل میں اسلامی فن تعمیر نے ایک نئی شناخت پیدا کی؛ محراب، مینار، گنبد اور عربی خطاطی سے مزین مساجد اور مدارس نے شہر کی صورت گری کی۔ بابل کی گلیوں اور بازاروں میں اب اذان کی آواز گونجنے لگی، اور دینی تعلیم عام ہونے لگی۔

اسلامی علماء اور فقہا نے یہاں کے نو مسلم افراد کو قرآن و سنت کی تعلیم دی اور اسلامی شریعت کے مطابق سماجی و قانونی نظام متعارف کروایا۔ بابل کی قدیم علمی روایت کو اسلامی تہذیب نے اپنایا اور آگے بڑھایا۔ بابل میں پہلے سے موجود فلکیاتی، ریاضیاتی اور طبّی علم کو مسلمان علماء نے عربی میں ترجمہ کیا اور ان پر تحقیق کر کے نئی دریافتیں کیں۔ عباسی خلافت کے دور میں بغداد چونکہ بابل کے قریب واقع تھا، اس لیے بابل کو بھی علمی تحریکوں سے قریب رہنے کا موقع ملا۔ وہاں کے مدارس اور علمی حلقے اسلامی دنیا کے علمی مراکز سے جُڑ گئے۔ بابل میں اسلامی زبان یعنی عربی کا فروغ تیزی سے ہوا، جو قرآن کی زبان بھی تھی اور علمی و ادبی ترسیل کا ذریعہ بھی۔ اس کے نتیجے میں مقامی زبانوں جیسے سریانی اور آرامی زبان آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوئیں، اور عربی زبان نے علمی، عدالتی اور دینی معاملات میں مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ اسلامی تہذیب کا ایک اور نمایاں پہلو اس کی معاشرتی مساوات ہے، جس نے بابل کے طبقاتی اور نسلی امتیازات پر مبنی معاشرے کو بدل دیا۔

''ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آج ہم جس مقام تک پہنچے ہیں، اس میں بابل کا کتنا حصہ ہے۔ کیا اس کے آثار اور ان پر غور و فکر کی آج کچھ معنویت ہے، اور ہم کس حد تک اپنے مستقبل کی ترقی و تشکیل میں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ پرانی تاریخ کے مطالعے کا یہی مقصد ہے اور اسی میں اس کی افادیت ہے۔ قرآن میں بار بار دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر و سیاحت کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسا کہ اس کے اصلی مقصد اور موضوع کے پیش نظر امید کی جاسکتی ہے، اس میں بیشتر مقامات پر عبرت اور سبق حاصل کرنے کی ہدایت ہے کہ دیکھو، جن لوگوں نے حق کے قبول کرنے سے انکار کیا، ہمارے انبیاء کی تکذیب کی، ان کا کیا حشر ہوا! قانون فطرت یکساں ہے۔ زمان و مکان کی تبدیلی سے نہ یہ قانون بدلتا ہے، نہ اس کا نتیجہ مختلف ہو جاسکتا ہے۔ گندم سے گندم پیدا ہوگی اور جو سے جو۔ آگ جلائیگی اور پانی ہر چیز کو گیلا کر دیگا۔ ''وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلاً''(۴) (پس، تم بھی گھر سے باز آجاؤ، ورنہ تمھارا انجام بھی ان گذشتہ اقوام کا سا ہوگا۔) لیکن عبرت حاصل کرنے اور حق کی قبولیت کی ترغیب دینے کے علاوہ اس سیر و تفریح کے کچھ اور مقاصد بھی ہیں۔ مثلاً اگر کسی کے دل میں دوسروں کی ترقی کے باعث حسد پیدا ہو، تو وہ چل پھر کر دیکھے کہ کامیابی کن اسباب سے حاصل کی جاسکتی ہے۔''(۵)

اسلام کی تعلیمات نے سب انسانوں کو برابر قرار دیا، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا۔ اسلام نے خواتین کو عزت دی، غلامی کی حوصلہ شکنی کی، اور انسان دوستی، حسن سلوک، عدل و انصاف اور حقوق العباد کی اہمیت پر زور دیا۔ ان اصولوں کے تحت بابل کی سماجی زندگی میں نمایاں مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بازاروں میں منصفانہ تجارت، وراثت کا منصفانہ نظام، نکاح کے شرعی اصول، اور یتیموں و مسکینوں کے حقوق جیسے اسلامی اصول اپنائے گئے، جس سے سماجی ہم آہنگی اور عدل کا نظام مضبوط ہوا۔ اقتصادی طور پر بھی اسلامی تہذیب نے بابل کو نئے اصولوں سے روشناس کیا۔ اسلامی مالیاتی نظام میں زکوۃ، عشر، صدقات اور بیت المال کے نظام نے دولت کی منصفانہ تقسیم میں اہم کردار ادا

کیا۔ سود پر پابندی، تجارت میں دیانت داری، اور مزدور کے حقوق جیسے اصولوں نے معاشی انصاف کو فروغ دیا۔ بابل کی معیشت چونکہ پہلے ہی زراعت، تجارت اور دستکاری پر مبنی تھی، لہٰذا اسلامی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگی سے ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔

تعلیم کے میدان میں بابل میں مساجد کے ساتھ مدارس قائم ہوئے، جہاں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، نحو، صرف، منطق، فلسفہ اور دیگر اسلامی علوم کی تدریس ہونے لگی۔ تصوف کی تحریکوں نے بھی بابل میں اثر ڈالا، اور یہاں روحانی تربیت گاہیں یعنی خانقاہیں قائم ہوئیں، جہاں ذکر، فکر اور اخلاقی تربیت کا ماحول پیدا ہوا۔ بزرگ صوفیاء نے عوام کو اخلاق، برداشت، ایثار اور قربانی جیسے اوصاف سکھائے۔ اسلامی تہذیب نے نہ صرف مذہبی اصلاحات کیں بلکہ ادب و ثقافت پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ بابل کے شعراء، ادباء اور مفکرین نے عربی میں دینی اور غیر دینی مضامین لکھنے شروع کیے، جن میں اسلامی تصورات، تاریخ، اخلاقیات اور فلسفہ شامل تھا۔ اسلامی خطاطی، مصوری اور فنون لطیفہ نے بابل کی ثقافتی روایت کو نئی جہت دی۔ قرآن پاک کی خوشخط تحریر اور تزئین و آرائش کا فن بابل میں پروان چڑھا۔ اس دور کے کئی کتب خانے اور علمی حلقے اسلامی علوم کی ترویج کا ذریعہ بنے۔

''سب لوگ مسلمان ہیں یا یہودی۔ قریباً تمام سیاح عراق عرب میں سفر کرتے ہوئے قلہ میں ضرور ٹھہرتے ہیں کیونکہ یہاں سے وہ بابل کے کھنڈروں کو دیکھنے جاتے ہیں۔ جن دنوں کے یار ڈھلہ میں تھا اس کی آبادی صرف آٹھ ہزار کی تھی حالانکہ گذشتہ نصف صدی میں وہ کم سے کم دگنی ہو گئی ہے۔ زیادہ آبادی عربوں کی ہے جو یہاں آباد ہو گئے ہیں، لیکن ابھی تک صحرائی خانہ بدوش بدوؤں کے تمام اوصاف اُن میں پائے جاتے ہیں۔ حملہ کے گرد و نواح کے قرون وسطی کے کھنڈروں، خوبصورت عالی شان مسجدوں، اور شاہانہ عمارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چند صدیاں بیشتر کوئی نیا اور پر شوکت بابل بھی آباد ہوا تھا جو ترکی سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ ہی برباد ہو کر رہ گیا۔''(۶)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلامی تہذیب نے بابل کے لوگوں کو ایک ایسی فکری یکجہتی عطا کی، جس نے مختلف قبائل، قوموں اور مذاہب کے درمیان مذہبی رواداری، سماجی برداشت اور فکری ہم آہنگی پیدا کی۔ اسلام کے عالمی پیغام نے بابل جیسے قدیم خطے کو اپنے دامن میں لے کر نہ صرف اس کی پرانی علمی وراثت کو محفوظ کیا بلکہ اسے ایک نئی زندگی بھی دی۔ بابل اب صرف ایک قدیم تہذیب کا استعارہ نہیں رہا بلکہ اسلامی تہذیب کا ایک روشن باب بھی بن گیا۔ اسلامی طرزِ حیات نے یہاں کے انسان کو صرف ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی طور پر بھی پاکیزگی عطا کی۔ اسلام نے بابل کو ایک ایسی شناخت عطا کی، جس میں روحانیت، علم، تہذیب، فن اور عدل سب ایک ساتھ جلوہ گر ہوئے۔ آج اگرچہ بابل اپنے قدیم آثار اور کھنڈرات کی صورت میں موجود ہے، لیکن اس کی اسلامی تاریخ بھی ایک زندہ اور تابندہ پہلو کے طور پر ہمارے سامنے ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے جہاں بھی قدم رکھا، وہاں روشنی، علم، انصاف اور اخلاق کی شمع روشن کی۔

اسلامی فتوحات اور بابل کا انضمام

اسلامی تاریخ کے اہم ترین ادوار میں حضرت عمر بن خطابؓ کا دورِ خلافت ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں نہ صرف اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا بلکہ مختلف تہذیبوں کا اسلامی نظام میں انضمام بھی عمل میں آیا۔ اسی تسلسل میں عراق کی فتح کو نہایت اہمیت حاصل

ہے، جس کے دل میں واقع بابل، اپنی قدیم تہذیب، علمی ورثے، اور جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتا تھا۔ 637ء میں ہونے والی قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ اور بعد ازاں مدائن کی فتح کے ذریعے عراق، بشمول بابل، اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا۔ یہ فتح محض ایک عسکری کامیابی نہیں تھی بلکہ تہذیبی، مذہبی اور معاشرتی تبدیلیوں کا نقطہ آغاز بھی تھی۔

''گذشتہ صدی میں جو آثار قدیمہ یہاں دریافت ہوئے ہیں اور عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدایش وغیرہ میں جو حالات ملتے ہیں انھیں یکجا کرنے کے بعد کئی مورخ تو اس بات کے مدعی ہیں کہ تہذیب و تمدن انسانی کا ابتدائی گہوارہ یہی خطہ زمین تھا۔''(۷)

بابل، جو قبل از اسلام میسوپوٹیمیا کے عظیم علمی، دینی اور ثقافتی مراکز میں شمار ہوتا تھا، اسلامی خلافت کے زیرِ سایہ ایک نئے عہد میں داخل ہوا۔ یہاں اسلامی شریعت، عربی زبان، اور اسلامی ثقافت کی بنیاد پر ایک نیا معاشرتی و تمدنی ڈھانچہ تشکیل پایا۔ اسلام نے مقامی لوگوں کو ایک وحدانی عقیدہ، سماجی انصاف، اخوت، مساوات، اور تعلیم کے جامع اصولوں پر مبنی طرزِ زندگی عطا کیا۔ اسلامی لشکروں کی آمد کے بعد یہاں کے قدیم سیاسی نظام، جو زیادہ تر طبقاتی اور پادری نظام پر مبنی تھے، کا اختتام ہوا، اور ان کی جگہ خلافت کے شفاف اور منصفانہ نظم نے لے لی، جو قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی تھا۔ بابل کی فتح کے بعد ابتدائی طور پر یہاں اسلامی گورنر مقرر کیے گئے جنہوں نے نہ صرف امن و امان قائم کیا بلکہ مقامی آبادی کے ساتھ عدل و احسان کا سلوک روا رکھا۔ مفتوح علاقوں میں اسلام کی دعوت بذریعہ علم، کردار، اور رواداری کے پیش کی گئی، جس کے نتیجے میں بابل کے باشندے تدریجاً اسلام سے متاثر ہو کر اس دینِ فطرت کو قبول کرنے لگے۔ اسلامی حکمرانی نے بابل کے شہریوں کو نہ صرف مذہبی آزادی دی بلکہ ان کی ثقافتی اور لسانی شناخت کا بھی احترام کیا، جس سے ان میں اسلام کے لیے قبولیت بڑھی۔

اسلامی خلافت نے بابل میں تعلیم و تربیت کو اولین ترجیح دی۔ ابتدائی دور ہی میں مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس اور مکتب قائم کیے گئے جہاں قرآن، حدیث، فقہ اور عربی زبان کی تعلیم دی جانے لگی۔ یہی تعلیمی ادارے بعد ازاں بابل میں علم و دانش کے مراکز بنے۔ بابل، جو قبل از اسلام نجوم، طب، ریاضی، اور ادب کا مرکز رہا تھا، اب اسلامی علم و تحقیق کی آماجگاہ بننے لگا۔ عربی زبان، جو اسلام کی زبان تھی، نہ صرف دینی علوم کی تدریس میں رائج ہوئی بلکہ سرکاری، عدالتی، اور ادبی سطح پر بھی غالب آ گئی، جس کے نتیجے میں مقامی سریانی، آرامی، اور فارسی زبانوں کے ساتھ ایک نیا لسانی و ادبی امتزاج وجود میں آیا۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ہی بابل کے فنِ تعمیر پر بھی اسلامی اثرات ظاہر ہونے لگے۔ قدیم زگورات اور معبدوں کی جگہ خوبصورت مساجد، مدارس، حمام اور قلعے تعمیر کیے گئے۔ اسلامی طرزِ تعمیر میں گنبد، محراب، مینار، خطاطی اور نقش و نگار جیسے عناصر نے بابل کی منظر نگاری کو نئی جہت عطا کی۔ شہر کی گلیوں میں اذان کی آواز گونجنے لگی، اور مساجد میں قرآن کی تلاوت، علم کی محفلیں، اور عبادات کا اہتمام ہونے لگا، جو بابل کی تہذیبی شناخت کا حصہ بن گیا۔

''ساتویں صدی قبل مسیح میں ان کے ہاں نیکی بدی کا ایک خیالی معیار ضرور میں ان ہاں نیکی بدی کا میعار ضرور پیدا ہوا چلا تھا۔ اور ان کا عقیدہ محض مادی تصور اور ادائی رسوم ہی تک منحصر نہیں رہا تھا۔ گناہ کے ساتھ لازمی طور پر حیات بعد الموت کا خیال آتا ہے۔ تقریباً تمام وہ مذاہب، جن میں نیکی بدی کا عقیدہ ہے، ان میں ایک دوسری دنیا کا تصور بھی موجود ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے، کہ اگرچہ انسان کے بیشتر اعمال کا نتیجہ اسی

دنیا میں نکل آتا ہے، لیکن آخری فیصلہ موت کے بعد کسی اور مقام پر ہوتا ہے، جب ان اعمال کو سامنے رکھ کر روح کے آئندہ قیام کا تعین کیا جاتا ہے۔"(۸)

سیاسی وانتظامی سطح پر بھی بابل نے خلافت کے نظام میں اپنے آپ کو کامیابی سے ہم آہنگ کیا۔ اسلامی عدالتی نظام، بیت المال، زکوۃ کا نظام، اور خراج کی تنظیم کے ذریعے مقامی لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کیا گیا۔ غیر مسلم اقلیتوں کو ذمی کی حیثیت سے مکمل مذہبی آزادی، جان ومال کا تحفظ، اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کی اجازت دی گئی۔ ان سے جزیہ لیا جاتا، لیکن اس کے بدلے میں ان کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی، جس نے ایک پرامن اور متوازن معاشرتی فضا قائم کی۔ اسلامی فتوحات نے بابل میں نہ صرف مذہبی اور تمدنی تبدیلیاں لائیں بلکہ ایک مضبوط اخلاقی بنیاد بھی فراہم کی۔ جھوٹ، بددیانتی، سود، اور ظلم جیسے اعمال کی مذمت کی گئی، جبکہ دیانتداری، راست گوئی، عفو ودرگزر، ہمسائیگی کے حقوق، اور خدمت خلق کو معاشرے کے بنیادی اصولوں میں شامل کیا گیا۔ بابل کے لوگ، جو صدیوں تک قدیم آتش پرستی اور مختلف مشرکانہ عقائد سے وابستہ رہے تھے، اسلام کے سادہ، توحیدی اور فطری عقیدے کی جانب راغب ہوئے۔ فتح کے بعد بابل کی اقتصادی حالت بھی بہتر ہونے لگی۔ چونکہ اسلامی حکومت نے زراعت، تجارت، اور صنعت وحرفت کو فروغ دیا، اس لیے مقامی آبادی کو نئے روزگار اور معیشتی ترقی کے مواقع میسر آئے۔ قوافل کی آمدورفت، تجارتی منڈیاں، بازاروں کی تنظیم، اور مالیاتی نظام نے بابل کو خطے کی معیشتی ترقی میں ایک کلیدی مرکز بنادیا۔ اسلامی سکہ جات (دینار ودرہم) بابل کی معیشت کا حصہ بنے اور مالیاتی شفافیت کو فروغ ملا۔

علمی ترقی اور اسلامی تہذیب

اسلامی تہذیب کی بنیاد علم، تفکر، جستجو اور مکالمے پر رکھی گئی ہے، اور یہی اوصاف اس تہذیب کو دیگر قدیم تہذیبوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ جب ساتویں صدی عیسوی میں بابل اسلامی خلافت کے زیرِاثر آیا تو اس شہر کی علمی فضا نے ایک نئی جہت اختیار کی۔ بابل جو قبل از اسلام بھی سائنسی، فلکیاتی اور ادبی علوم کا مرکز رہ چکا تھا، اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہو کر ایک بار پھر علم وحکمت کا درخشندہ ستارہ بن گیا۔ اسلامی تہذیب نے نہ صرف علم کو عبادت کا درجہ دیا بلکہ ہر فرد کو تعلیم کا حق دے کر معاشرتی ترقی کی راہیں کھول دیں۔ قرآن کریم کی پہلی وحی "اقْرَأْ" (پڑھ) سے شروع ہو کر علم کی جس تحریک کا آغاز ہوا، اس نے بابل جیسے تاریخی شہروں کو علمی ترقی کا مرکز بنادیا۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے قدیم علوم کو رد کرنے کے بجائے انہیں اپنے قالب میں ڈھالا۔ بابل کے اسلامی علما نے یونانی، ایرانی، سریانی، اور ہندی علوم کو عربی میں ترجمہ کیا، ان پر شرحیں لکھیں اور ان میں تحقیق وتنقید کے نئے باب کھولے۔ بیت الحکمت (House of Wisdom) جیسا ادارہ بغداد میں قائم ہوا، جہاں بابل کے علما بھی شریک رہے اور اس علمی تحریک کا حصہ بنے۔ اس مرکز میں افلاطون، ارسطو، جالینوس، اور بقراط جیسے فلاسفہ اور اطباء کی کتب کو اسلامی تناظر میں دوبارہ پیش کیا گیا۔ بابل میں قائم ذیلی مراکز میں ان تراجم کی تدریس اور شرح کا کام جاری رہا، جس کے نتیجے میں سائنس، طب، ریاضی، فلکیات، اور فلسفہ جیسے مضامین کو نئی روح ملی۔ علمی ترقی کے اس دور میں بابل کے علمی حلقوں نے نہ صرف نظری علوم میں پیش رفت کی بلکہ تجرباتی علوم میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ فلکیات کی

رصد گاہیں، ادویات کے تحقیقی مراکز، اور ریاضیاتی مدارس بابل میں قائم کیے گئے، جنہوں نے عباسی دور کے علمی خزانوں میں اضافہ کیا۔ طب کے میدان میں بابل کے اطباء نے یونانی نظریات کو اسلامی اخلاقیات کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ اسد بن علی البابلانی، جیسے مقامی علماء واطباء کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں جنہوں نے اسلامی طب کو فروغ دیا۔ علمِ ہئیت اور ریاضی میں البتانی جیسے سائنسدانوں کے اثرات بابل کے علمی مراکز میں واضح طور پر محسوس کیے گئے۔

''لیکن ایک زمانہ آیا کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ کئی نیک آدمی، ساری عمر مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کے مقابلے میں یا معاش گلچھرے اڑاتے پھرتے ہیں، تو قدرتی بات تھی، کہ وہ اس فرق پر غور کرنے لگتے کہ آخر یہ کیا اندھیر ہے۔ اگر دیوتا ہی ہر ایک چیز کا انتظام کرتے ہیں، اور ہمارے اعمال کی اچھائی برائی کا معیار وہی ہے، جو ہمیں بتایا جاتا ہے، تو وہ کیوں نیکوں کو راحت و آرام و عطا نہیں کرتے اور بد معاشوں کو ان کے کیفر کردار کو نہیں پہنچاتے۔ اس پر اگرچہ ان میں سے بعض ضرور یہ ماننے لگے کہ سب دیوتا انصاف پسند نہیں، بلکہ وہ ظلم بھی کرتے ہیں۔ لیکن اکثریت اس عقیدے پر جم گئی کہ یہاں کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جہاں نیک کو اس کی نیکی کی جزاء اور بد کو اس کی باری کی سزا ملتی ہے۔''(۹)

اسلامی تہذیب نے علم کو نہ صرف عبادت کا درجہ دیا بلکہ اسے فرد اور معاشرے کی بقاء کا ذریعہ سمجھا۔ بابل میں خواندگی کی شرح بڑھی، تعلیمِ نسواں پر بھی توجہ دی گئی، اور طلبہ واساتذہ کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوئی۔ یہ وہ اقدار تھیں جو قبل از اسلام معاشروں میں ناپید تھیں۔ اسلامی تہذیب نے تعلیم کو مخصوص طبقات تک محدود رکھنے کی بجائے عوامی فلاح کا ذریعہ بنایا۔ بابل کے گلی محلوں میں مکاتب (چھوٹے مدارس) اور خانقاہی درسگاہیں قائم ہوئیں جن میں نہ صرف مذہبی بلکہ عصری علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ تعلیمی نظام مقامی افراد کو ایک نئی فکری پہچان دیتا رہا۔

ادب اور زبان کے میدان میں بھی علمی ترقی نے اسلامی تہذیب کو جلا بخشی۔ عربی زبان جو ابتدا میں دینی تعلیمات کی زبان تھی، جلد ہی ادب، فلسفہ، اور سائنس کی زبان بن گئی۔ بابل میں عربی زبان نے تیزی سے مقبولیت حاصل کی اور مقامی زبانوں جیسے سریانی، آرامی، اور فارسی کے ساتھ تعامل سے ایک کثیر لسانی فکری ماحول نے جنم لیا۔ اس ماحول نے نہ صرف عربی ادب کو فروغ دیا بلکہ مقامی تہذیبی روایات کو بھی ایک اسلامی فکری شناخت دی۔ بابل کے شعراء، ادباء، اور نثر نگاروں نے عربی میں نعتیہ شاعری، دینی نثر، فلسفیانہ مکالمے اور سائنسی رسائل تخلیق کیے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ علمی ترقی نے تہذیب کے تمام شعبوں میں اثر ڈالا۔

''قدیم بابلیوں نے نجوم، ریاضیات اور زراعت و تعمیرات جیسے شعبوں میں شاندار ترقی کی تھی۔ وہ جنوری کیلنڈر، سولر ایر یا کیلکولیشنز، اور مثلثی حساب پر کام کرتے تھے۔ جن میں انہوں نے الجبری مساوات متعین کیں، سیکسجسمال نظام (base-60) استعمال کیا، اور منظر نگار ستاروں اور پیراڈوکس سمیت پیچیدہ مسائل حل کیے۔ ان کی نجومی مشاہدات نے چاند و سورج گرہن، زائچہ، اور روایت کو بنیاد بنایا، جسے بعد میں یونانی اور اسلامی سائنس دانوں نے ترقی دی۔''(۱۰)

اسلامی تہذیب کا ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ اس نے مکالمے اور علمی اختلاف رائے کو فروغ دیا۔ بابل میں مذاہب و مکاتب فکر کے درمیان علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ فقہی، کلامی اور فلسفیانہ اختلاف کو برداشت کرنے اور علمی بنیاد پر رد یا قبول کرنے کی روایت نے یہاں جڑیں پکڑیں۔ اہلِ سنت، اہلِ تشیع، معتزلہ، اشاعرہ، اور دیگر مکاتبِ فکر نے بابل میں اپنی علمی سرگرمیاں جاری رکھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ فکری مکالمے کیے۔ یہ علمی ماحول اسلامی تہذیب کی وسعت نظری اور برداشت کا مظہر تھا۔ عباسی دور کے زوال کے بعد بھی بابل میں اسلامی علمی سرگرمیاں جاری رہیں۔ اگرچہ سیاسی حالات نے علمی اداروں کو نقصان پہنچایا، لیکن مساجد، خانقاہیں اور ذاتی کتب خانے اس علمی روایت کو جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔ بیسویں صدی میں جب عراق نے جدید ریاست کی شکل اختیار کی، تب بھی اسلامی تعلیمی نظام کو زندہ رکھنے کی کوششیں کی گئیں۔ آج بھی عراق کے مدارس، جامعات اور علمی ادارے اسی روایت کے امین ہیں جو بابل میں اسلامی عہد میں قائم ہوئی تھی۔

بابل میں علمی ترقی اسلامی تہذیب کے سب سے روشن پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ یہ صرف مدرسوں، کتابوں، یا جامعات تک محدود نہ تھی بلکہ ایک مکمل فکری اور تہذیبی تحریک تھی جس نے بابل کے ہر شعبہ زندگی کو متاثر کیا۔ آج اگر ہم اسلامی تہذیب کی علمی میراث کو دیکھنا چاہیں تو بابل اس کا ایک درخشندہ باب ہے، جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ علم، تحقیق، اور مکالمہ کسی بھی تہذیب کی روح ہوتے ہیں، اور اسلام نے انہی اصولوں کے ذریعے بابل کو نئی علمی زندگی عطا کی۔

فنِ تعمیر اور اسلامی اثرات

اسلامی فنِ تعمیر نے جہاں بھی قدم رکھا، وہاں کی تہذیب و ثقافت کو نئی جہت دی، اور اس کی سب سے نمایاں مثالیں بابل جیسے قدیم اور تاریخی شہروں میں ملتی ہیں، جنہوں نے اسلامی طرزِ تعمیر کو اپنی مقامی ساخت اور تہذیبی سیاق و سباق میں جذب کر کے ایک منفرد اور ہم آہنگی پر مبنی تمدنی پیکر تشکیل دیا۔ بابل، جو قبل از اسلام میسوپوٹیمیا کی عظیم الشان تہذیب کا مرکز تھا، بلند و بالا زگورات (عبادت گاہیں)، معبد، محل، اور کثیر المنزلہ عمارات کا حامل شہر رہا ہے۔ جب ساتویں صدی عیسوی میں اسلامی فتوحات کے نتیجے میں بابل اسلامی خلافت کا حصہ بنا، تو یہاں کے قدیم فنِ تعمیر نے اسلامی فنون سے متاثر ہو کر نئے رنگ اور آہنگ میں ڈھلنا شروع کیا۔ اسلامی طرزِ تعمیر کا سب سے پہلا اور بنیادی مظہر مساجد کی تعمیر میں ظاہر ہوا۔ بابل میں ابتدائی دور میں جن مقامات کو مذہبی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، وہ بعد ازاں اسلامی اصولوں پر استوار کی جانے والی مساجد میں تبدیل ہو گئے۔ ان مساجد کی تعمیر میں سادگی، تقدس، اور روحانیت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مساجد میں محراب (نماز کی سمت قبلہ کی نشاندہی کے لیے)، منبر (خطبات کے لیے)، صحن، وضو خانے، اور مینار جیسی اسلامی ساختی علامات شامل کی گئیں۔ یہ عناصر نہ صرف عبادات کے لیے موزوں تھے بلکہ بابل کے شہریوں کے لیے ایک نئے روحانی اور سماجی اجتماع کے مرکز کے طور پر بھی سامنے آئے۔

"گرینڈ مسجدِ سامرا، عراق (نواسع عبّاسی طرز) میں واقع مورب منار، معروف مالویا، کی شکل کو بعض دانشوروں نے بابلی زگورات سے متاثر

مانا ہے—خاص طور پر ان کا چکور سے گاھولے تک بڑھتا ہوا ڈیزائن ۔ جبکہ جدید اسکالرز اس نظریہ کو جزوی طور مسترد کرتے ہیں، تاہم مرحلے دار ڈیزائن اور بلندی میں اضافہ کو فنِ تعمیر کے ساتھ ایک مماثلت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔"(۱۱)

اسلامی فنِ تعمیر کی ایک اور نمایاں خصوصیت گنبد (Dome) کا استعمال تھا، جو نہ صرف جمالیاتی حسن کا مظہر تھا بلکہ صوتی اثرات کی بہتری اور اندرونی روشنی کی تنظیم میں بھی اہم کردار ادا کرتا تھا۔ بابل میں اسلامی دور کی کئی مساجد اور خانقاہیں ایسی مثالیں پیش کرتی ہیں جن میں گنبدوں کا استعمال انتہائی مہارت سے کیا گیا۔ یہ گنبد مقامی مٹی، اینٹوں، اور چونے کے استعمال سے تیار کیے جاتے تھے اور ان پر خوبصورت خطاطی، نقاشی اور جیومیٹریائی نقش و نگار کندہ کیے جاتے، جو نہ صرف جمالیاتی ذوق کی عکاسی کرتے بلکہ قرآنی آیات اور اسلامی اصولوں کو بصری فن کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچاتے۔ قدیم بابل میں پانی کی ترسیل، عوامی حمامات، اور بازاروں کی ساخت خاصی منظم تھی۔ اسلامی طرزِ تعمیر نے ان میں حمام، کاروان سرائے، بازار اور مدارس جیسی عمارات کا اضافہ کیا جو سماجی اور تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنائے گئے۔ ان اداروں کی تعمیر میں اسلامی ماہرینِ فن نے مقامی جغرافیائی و ماحولیاتی عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوادار صحن، محرابی دروازے، بلند چھتیں، اور ہواؤں کے گزر کے لیے کھڑکیاں جیسے عناصر شامل کیے۔ اس کا نتیجہ ایک ایسا تعمیراتی ماڈل تھا جو بابل کی گرم آب و ہوا کے لیے نہایت موزوں تھا۔

بابل میں اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ آرائش و زیبائش (Decoration) کے انداز بھی اسلامی روح سے ہم آہنگ ہوتے چلے گئے۔ قبل از اسلام معابد میں بت تراشی اور انسانی اشکال کو مرکزی مقام حاصل تھا، جبکہ اسلام میں ان اشکال کی ممانعت کے سبب خطاطی، عربیسک ڈیزائن اور جیومیٹریائی نمونے آرائشی عناصر کے طور پر رائج ہوئے۔ یہ عناصر بابل کے فنِ تعمیر میں اس طرح رچ بس گئے کہ وہ اسلامی تہذیب کا امتیازی نشان بن گئے۔ اسلامی خلافت، بالخصوص عباسی دور میں، جب بغداد عالمی علمی و ثقافتی مرکز بنا، تو اس کے قریبی علاقوں بشمول بابل پر اس کے اثرات بہت گہرے پڑے۔ بغداد کے ماہر معمار، فنکار، اور خطاط بابل آئے اور یہاں کے مقامی فنکاروں کو اسلامی فنِ تعمیر کے جدید رجحانات سے روشناس کرایا۔ چنانچہ بابل میں ایسی مساجد، مدارس اور مکانات تعمیر کیے جانے لگے جن میں مقامی فن اور اسلامی اسلوب کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر، مقامی اینٹوں کی کاریگری کے ساتھ قرآنی آیات کی خطاطی اور محرابی طرزِ در و دیوار کی ساخت، ایک منفرد تہذیبی شناخت کی علامت بنی۔

"بابل میں اسلامی دور کے آثار نہ صرف تعلیمی اداروں میں بلکہ فنِ تعمیر میں بھی نمایاں ہیں، جہاں عباسی طرز اور اسلامی جمالیات کی جھلک مقامی عمارتوں میں واضح دیکھی جاسکتی ہے۔"(۱۲)

مدارس کی تعمیر میں بھی اسلامی فنِ تعمیر کی مکمل جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ ان مدارس کے اندرونی صحن، کمرۂ درس، طلبہ کی اقامت گاہیں، لائبریری، اور مسجد کو ایک ہی تعمیراتی ڈھانچے میں سمویا جاتا۔ یہ ادارے نہ صرف دینی تعلیم کے مراکز تھے بلکہ بابل کے شہریوں کے لیے علم، تحقیق، مناظرے اور فلسفیانہ بحث و مباحثے کا مرکز بھی بنے۔ یہاں اسلامی فنِ تعمیر کی سادگی، وقار، اور تقدس تمام عناصر میں نمایاں

ہوتا۔ قلعہ جات اور فصیلوں کی تعمیر میں بھی اسلامی طرزِ فن کا نفوذ دیکھنے کو ملتا ہے۔ بابل چونکہ اسٹریٹجک لحاظ سے اہم مقام پر واقع تھا، اس لیے اسلامی حکمرانوں نے یہاں قلعے، چوکیاں اور فصیلیں تعمیر کیں تاکہ شہر کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھا جا سکے۔ ان قلعوں میں اسلامی طرز کے برج، محرابی دروازے، اور جنگی حکمت عملی کے عین مطابق دفاعی ڈھانچے شامل کیے گئے۔ دفاعی تعمیرات کے ساتھ ساتھ شہری بہبود کے لیے بھی عمارات تعمیر کی گئیں جیسے سرائے، ہسپتال، بیت المال، وغیرہ۔

اسلامی فنِ تعمیر نے نہ صرف بابل کے شہر کو ایک نئی تعمیراتی شناخت دی بلکہ اس نے مقامی ثقافت اور اسلامی روح کو باہم ملا کر ایک ایسا تہذیبی ورثہ تخلیق کیا جو آج بھی عراق کی تاریخی یادگاروں میں جھلکتا ہے۔ اسلامی طرزِ تعمیر نے بابل کے معماروں کو نہ صرف جمالیاتی سمت دی بلکہ روحانی شعور اور تہذیبی تسلسل بھی عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور کی عمارات آج بھی بابل کی شناخت، تاریخ، اور تہذیبی وقار کا ایک زندہ استعارہ بنی ہوئی ہیں۔

سماجی تبدیلیاں

اسلامی تہذیب نے بابل میں نہ صرف مذہبی و علمی انقلاب برپا کیا بلکہ اس کے گہرے اور دیرپا اثرات سماجی سطح پر بھی دیکھنے کو ملے۔ قبل از اسلام بابل کا معاشرہ طبقاتی نظام، نسلی امتیاز، غلامی، اور عورتوں کی محرومی جیسے مسائل کا شکار تھا۔ جب بابل اسلامی خلافت کا حصہ بنا تو یہاں ایک نیا معاشرتی ڈھانچہ متعارف ہوا جو عدل، مساوات، اخوت اور رحم دلی جیسے اصولوں پر مبنی تھا۔ اسلام نے انسان کو اس کی ذاتی حیثیت اور تقویٰ کی بنیاد پر پہچان دی، نہ کہ اس کے قبیلے، نسل یا مالی حیثیت پر۔

غلامی کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات کیے گئے۔ غلاموں کو آزاد کرنے کی تلقین کی گئی اور ان کے حقوق کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ عورتوں کو وراثت، تعلیم، نکاح، اور سماجی شرکت کے حقوق دیے گئے، جن سے وہ قبل از اسلام محروم تھیں۔ اسلامی تعلیمات نے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو ایک باوقار مقام عطا کیا، جس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ زکوۃ، صدقہ، اور بیت المال جیسے نظاموں نے غریبوں، یتیموں اور ناداروں کی کفالت ممکن بنائی اور طبقاتی خلیج کو کم کیا۔ اسلامی معاشرتی نظام نے بابل کے شہریوں کو انسانی برابری، معاشرتی انصاف اور بھائی چارے کا ایسا عملی مظاہرہ دکھایا، جس سے ان کے دل و دماغ بدل گئے۔ سماجی سطح پر ایک ایسا انقلابی رویہ پروان چڑھا جس میں ہر فرد کو عزت، انصاف، اور محبت کے ساتھ جینے کا حق ملا۔ اس تبدیلی نے بابل کو صرف ایک مفتوح شہر نہیں، بلکہ ایک مہذب، ہم آہنگ اور ترقی پذیر اسلامی معاشرے کا حصہ بنا دیا۔

زبان و ادب میں فروغ

اسلامی تہذیب کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی عربی زبان، جو قرآن اور سنت کی زبان ہے، بابل میں علم، ادب اور انتظامی معاملات کی مرکزی زبان بن گئی۔ ابتدائی طور پر مقامی باشندوں کے لیے عربی زبان اجنبی تھی، لیکن جیسے ہی اسلامی نظام نے جڑیں مضبوط کیں، عربی زبان نے بابل کی علمی، ادبی اور روزمرہ زندگی میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ مقامی لوگوں نے عربی زبان سیکھنا شروع کی، نہ صرف دینی تعلیمات کو سمجھنے کے

لیے بلکہ علم وادب کے دیگر شعبوں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے بھی۔ بابل کے مدارس اور علمی مراکز میں جہاں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی، وہیں عربی زبان میں شاعری، نثر، خطابت اور ترجمہ نگاری بھی پروان چڑھی۔ عربی ادب میں مقامی مصنفین نے قصائد، خطبات، اور دینی رسائل تخلیق کیے، جبکہ ادبی مباحث اور علمی مناظرے اس دور کی علمی فضا کا حصہ بنے۔ فارسی، سریانی اور یونانی زبانوں میں موجود علمی وادبی ذخیرے کو عربی میں منتقل کرنے کا عمل بھی بابل میں شدت سے جاری رہا، جس نے اس شہر کو ایک کثیر الثقافتی اور علمی مرکز بنا دیا۔

تورات میں ہے:

''اور تمام زمین پر ایک ہی بولی تھی اور ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے نوح کی اولاد کو ایک میدان ملا اور وہ وہاں بس گئے۔ اور انھوں نے آپس میں کہا، آؤ ہم اینٹیں بنائیں اور ان کو آگ میں خوب پکائیں۔ سو انھوں نے پتھر کی جگہ اینٹ سے اور چونے کی جگہ گارے سے کام لیا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آؤ ہم اپنے واسطے ایک شہر اور ایک برج، جس کی چوٹی آسمان تک پہنچ جائے، بنائیں اور یہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم روے زمین میں پراگندہ ہو جائیں۔ اور خداوند اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بنانے لگے، دیکھنے کو اُترا اور خداوند نے کہا: دیکھو، یہ لوگ سب ایک ہیں اور ان سبھوں کی ایک ہی زبان ہے۔ وہ جو یہ کرنے لگے ہیں، تو اب کچھ بھی جس کا وہ ارادہ کریں، ان سے باقی نہ چھوٹے گا سو آؤ ہم جا کر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں، تاکہ وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکیں۔ پس خداوند نے ان کو وہاں سے تمام روئے زمین میں پراگندہ کیا۔ سو وہ اس شہر کے بنانے سے باز آئے۔ اس لیے اس کا نام بابل ہوا، کیونکہ خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبان میں اختلاف ڈالا اور وہاں سے ان کو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا۔''(۱۳)

ادب میں روحانیت، اخلاقی تربیت، اور سماجی مسائل کا بیان نمایاں تھا، اور عربی زبان نے اس اظہار کے لیے ایک مضبوط ذریعہ فراہم کیا۔ مقامی دانشوروں نے اسلامی تہذیب کے زیرِ اثر عربی زبان میں ایسا ادب تخلیق کیا جس میں بابل کی تہذیبی روح اور اسلامی افکار کا امتزاج جھلکتا تھا۔ اس طرح بابل نہ صرف اسلامی علم کا مرکز بنا بلکہ زبان وادب کے میدان میں بھی ایک روشن ستارے کی مانند چمکنے لگا۔

اسلامی تہذیب کا تسلسل

اسلامی تہذیب کا تسلسل بابل جیسے عظیم تاریخی شہر میں ایک فکری، سماجی، عمرانی اور تمدنی انقلاب کے طور پر رونما ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلامی فتوحات کے بعد جب بابل اسلامی خلافت کا حصہ بنا، تو اس قدیم تہذیب نے اسلام کی روشنی میں ایک نئی شناخت اور روحانی معنویت اختیار کی۔ یہ تبدیلی صرف وقتی نہ تھی، بلکہ اس کا اثر آنے والی صدیوں تک پھیلا اور آج بھی بابل کے سماجی، مذہبی اور ثقافتی مظاہر میں اسلامی تہذیب کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ اسلامی تہذیب کا سب سے پہلا اور نمایاں تسلسل زبان، تعلیم اور علم کے فروغ میں دیکھا گیا۔ عربی زبان، جو قرآن کی زبان تھی، نہ صرف سرکاری زبان کے طور پر نافذ ہوئی بلکہ علمی، ادبی اور مذہبی زبان کے طور پر بھی مقبول ہوئی۔ بابل میں مدارس، مکاتب، دارالعلوم اور کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا جہاں قرآن، حدیث، فقہ، طب، فلسفہ، منطق، ریاضی، اور

نجوم جیسے علوم کی تدریس کی جاتی۔ یونانی، سریانی، فارسی اور ہندی علوم کو عربی میں ترجمہ کر کے ایک ایسا علمی تسلسل قائم کیا گیا جس نے بابل کو اسلامی دنیا کے علمی مراکز سے جوڑ دیا۔

''اسلامی تہذیب کی علمی و روحانی روح نے وقت کے ہر دور میں خود کو نئے تناظرات میں ظاہر کیا ہے، جو اس کے تسلسل کی سب سے بڑی دلیل ہے۔''(۱۴)

اسلامی تہذیب کا تسلسل صرف علمی میدان تک محدود نہیں رہا بلکہ معاشرتی اور اخلاقی سطح پر بھی نمایاں طور پر محسوس کیا گیا۔ اسلام کے معاشرتی اصول جیسے عدل، مساوات، رحم، اخوت، اور صبر و قناعت بابل کے شہریوں کی زندگی کا جزو بن گئے۔ غلامی کے نظام میں اصلاح، یتیموں اور مساکین کی کفالت، عورتوں کے حقوق کا تحفظ، اور خاندانی نظام میں استحکام جیسے پہلو بابل میں اسلامی تہذیب کی دیرپا علامت بنے۔ اسلامی شریعت نے انصاف اور اجتماعی فلاح کے اصولوں کو رائج کر کے معاشرے میں پائیدار تبدیلی پیدا کی، جس کا اثر آج بھی عراق کے قبائلی اور شہری معاشروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ معماری اور فنون لطیفہ کے میدان میں بھی اسلامی تہذیب کا تسلسل بابل میں نظر آتا ہے۔ اسلامی دور میں تعمیر کی جانے والی مساجد، مدارس، حمام، کاروان سرائے، اور خانقاہیں نہ صرف عبادت، تعلیم اور رہائش کے مراکز تھیں بلکہ ان کی تعمیر میں اسلامی جمالیات کا بھی مظاہرہ ہوتا تھا۔ محراب، مینار، گنبد، اور اسلامی خطاطی سے مزین یہ عمارات اس تہذیب کی روحانیت، سادگی اور فنکارانہ ذوق کا عکاس تھیں۔ یہ عمارات وقت کے ساتھ تبدیل تو ہوئیں، لیکن ان کی بنیادیں، نقش و نگار، اور تعمیراتی اسلوب آج بھی اسلامی شناخت کو محفوظ رکھتے ہیں۔

''اسلامی تہذیب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے روحانیت کو تمدن کا مرکز بنایا اور مادی ترقی کو اخلاقی حدود کا پابند کر کے انسانیت کو ایک نئی راہ دکھائی۔''(۱۵)

اس کا ایک اور نمایاں پہلو روحانیت اور تصوف ہے۔ بابل میں صوفی بزرگوں، اولیائے کرام اور درویشوں کی آمد نے ایک ایسا روحانی ماحول پیدا کیا جہاں عقیدہ، عمل، اور اخلاق کے ذریعے دلوں کو فتح کیا گیا۔ خانقاہیں نہ صرف عبادت گاہیں تھیں بلکہ اصلاح نفس، تعلیم، خدمت خلق، اور صلح و آشتی کے مراکز بھی تھیں۔ صوفیاء نے اسلامی اخلاقیات کو مقامی ثقافت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایسا ماحول پیدا کیا جس نے لوگوں کو ظاہری شریعت کے ساتھ باطنی سچائیوں سے بھی روشناس کرایا۔ آج بھی عراق کے مختلف شہروں میں اولیاء کے مزارات اسلامی تہذیب کے روحانی تسلسل کا نشان ہیں۔ رسومات اور تہواروں میں بھی اسلامی تہذیب کی چھاپ واضح ہے۔ بابل کے لوگ اسلامی کیلنڈر کے مطابق رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ، عاشورہ، اور میلاد النبیؐ جیسے مذہبی تہوار عقیدت اور روایات کے ساتھ مناتے ہیں۔ ان مواقع پر مساجد میں عبادات، میلاد، ذکر، اور دعاؤں کے اجتماعات کا انعقاد کیا جاتا ہے، جو کہ اسلامی تہذیب کی زندہ روایات کا مظہر ہے۔ بابل کی ثقافت میں اسلامی رسومات کا امتزاج اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ مقامی روایات بھی ان سے متاثر ہو کر بدل گئی ہیں۔

قانون اور سیاست میں بھی اسلامی اصولوں کا تسلسل صدیوں تک جاری رہا۔ خلافتِ راشدہ سے لے کر عباسی دور تک، اور بعد ازاں مختلف

مسلم سلطنتوں کے تحت، اسلامی قانون (شریعت) بابل میں نافذ رہا۔ قاضیوں کے ذریعے انصاف کی فراہمی، بیت المال کے ذریعے عوامی بہبود، اور مشاورت پر مبنی حکمرانی کے اصول اس تہذیب کی سیاسی شناخت بنے۔ اگرچہ وقت کے ساتھ سیاسی زوال آیا، لیکن اسلامی قانون اور اخلاقیات کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ وہ مقامی معاشرت میں پیوست ہو گئیں۔ بابل میں اسلامی تہذیب کا تسلسل اس وقت بھی قائم رہا جب خارجی حملوں، منگول یلغار، یا جدید سیاسی تبدیلیوں نے علاقائی نقشے بدلے۔ خاص طور پر عباسی خلافت کے زوال کے بعد بھی اسلامی تعلیمات، عبادات، فقہی مدارس، مساجد اور دینی ادارے قائم رہے اور انہوں نے اس تہذیب کو جاری و ساری رکھا۔ بیسویں صدی میں جب عراق جدید ریاست کے طور پر ابھرا، تب بھی اسلامی شناخت اور روایات کو آئینی اور سماجی سطح پر تسلیم کیا گیا۔ آج بھی عراق کے تعلیمی ادارے، عدالتی نظام، اور مذہبی تنظیمیں اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔

حوالہ جات

1۔ حکیم محمد سردار خاں، بابل، امرتسر (انڈیا): اتحاد پریس، 1920ء، ص4

2۔ مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1992ء، ص8

3۔ حکیم محمد سردار خاں، بابل، ص7

4۔ ٤٣:٣٥

5۔ مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن، ص10۔11

6۔ حکیم محمد سردار خاں، بابل، ص44۔45

7۔ مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن، ص68

8۔ ایضاً، ص209

9۔ ایضاً، ص211

10۔ فراج، ڈی او، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس کا انسانی انجینئرنگ پر اثر: بابل یونیورسٹی پر ایک عملی مطالعہ، لندن: ہیومینٹیز اینڈ سوشل سائنسز ریویوز، 2020ء، ص780۔788

11۔ مالک رام، حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن، ص123

12۔ حکیم محمد سردار خاں، بابل، ص47

13۔ ایضاً، ص71۔72

14۔ King, L.W., A History of Babylon from the Foundation of the Monarchy to the Persian Conquest, Vol. 2, 1919, Chatto & Windus.

15۔ Kathem, M. and Kareem Ali, D., Decolonising Babylon. International Journal of Heritage Studies, 27 (9), 2021, P.831-845

References

1. Hakim Muhammad Sardar Khan, Babul, Amritsar (India): Ittehad Press, 1920, p. 4
2. Malik Ram, Hammurabi and Babylonian Civilization and Civilization, New Delhi: Maktaba Jamia

Limited, 1992, p. 8
3. Hakim Muhammad Sardar Khan, Babul, p. 7
4. 43:35
5. Malik Ram, Hammurabi and Babylonian Civilization and Civilization, pp. 10-11
6. Hakim Muhammad Sardar Khan, Babylon, pp. 44-45
7. Malik Ram, Hammurabi and Babylonian Civilization and Civilization, p. 68
8. Ibid., p. 209
9. Ibid., p. 211
10. Faraj, D.O., Information Technology and its Impact on Human Engineering: A Practical Study on the University of Babylon, London: Humanities and Social Sciences Reviews, 2020, pp. 780-788
11. Malik Ram, Hammurabi and Babylonian Civilization, p. 123
12. Hakim Muhammad Sardar Khan, Babul, p. 47
13. Ibid., p. 71-72
14. King, L.W., A History of Babylon from the Foundation of the Monarchy to the Persian Conquest, Vol. 2, 1919, Chatto & Windus.
15. Kathem, M. and Kareem Ali, D., Decolonising Babylon. International Journal of Heritage Studies, 27 (9), 2021, P.831-845